پیسے آنے دو

اُمّ مریم

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ام مریم

سپنے سے آگے دو



فضا میں لیموں کے پھولوں کی ترش سی مہک پھیلی تھی اس کی سبز شاخوں میں سفید پھول کھلے ہوئے تھے۔ لیموں کے پیڑ نیا پھل دینے کی تیاری میں مصروف تھے۔ وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی گھٹنوں پر سر رکھے ان سنہرے پروں والی تتلیوں کا انتظار کرتی۔ جو ہر روز آتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے عمر کا بھی انتظار تھا جس نے جاتے سمے کہا تھا۔

"اگر مجھے دیکھنے اور ملنے کا دل کرے تو ایمانداری سے یاد کرنا۔" "میں آجاؤں گا۔"

اس نے نا صرف اسے یاد کیا تھا بلکہ وہ تو بہت شدتوں سے ہر سحر و افطار میں اس کے واپس پلٹ آنے کی بھی دل سے دعا کرتی تھی مگر۔۔۔ شام ڈھل رہی تھی۔ مسجدوں سے صلوٰۃ اور درود کی آوازیں لاؤڈ اسپیکر سے اٹھ رہی تھیں وہ ہمت جمع کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

نیم پختہ دیواروں کے پار نظر آتے کھیتوں کے وسیع سلسلے پہ ہر جانب ابھی بھی تیز دھوپ کی راج دھانی تھی' گاؤں کی جانب آتی ہوئی پگڈنڈی دور تک خالی تھی۔ اس کا دل پگڈنڈی کی طرح خالی اور ویران ہونے لگا۔ آنکھوں کی نمی پلکیں جھپک کر اندر اتارتی وہ کچن میں آگھسی۔ جہاں چولہے پہ سالن چڑھا ہوا تھا۔ اس نے کنستر سے آٹا نکال کر چھاننا شروع کیا۔ اندر اماں عصر کے بعد تسبیحات میں مشغول تھیں اور بابا ابھی دکان سے نہیں لوٹے تھے۔ اسے ان کی واپسی سے پہلے کھانا تیار کرنا تھا۔ اس کے باوجود کہ اب اس کا دل کسی بھی کام میں نہیں لگتا تھا۔ وہ جاتے ہوئے اس کا چین سکون اور ساری خوشی بھی ساتھ لے گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے ہلکے سے دروازہ بجایا اور اجازت ملنے کا انتظار کیے بنا قدم اندر رکھ دیا۔ وہ اسے سامنے ہی نظر آگیا تھا۔ کرسی پہ بیٹھا ہوا میز پہ جھکا کچھ لکھنے میں مصروف۔۔۔ وہ اسے تکتی رہی۔ اس کی توجہ حاصل کرنے کی خواہش میں مگر ہائے ری یہ خواہشیں۔۔۔

"خیریت۔۔۔؟ تم کیوں آئیں؟"

توجہ کی خیرات تو ملی تھی مگر لحہ بھر کی۔ سوال میں البتہ بہت بے اعتنائی تھی۔ اسما کی جان جل کر خاک ضرور ہوئی مگر رواداری اور نسوانیت کے وقار کا تقاضا تھا کہ سارا غصہ پی جائے۔ ورنہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اپنی باری پر عمر ایسے ہی ماتھے پہ آنکھیں رکھ لیا کرتا تھا جب اس سے کام ہوتا تو اس جیسا با اخلاق اور خوش مزاج دنیا میں دوسرا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مان' دعوتیں' منت' محبت' چاپلوسی تک اس پر ختم ہو جاتی۔ کتنا شوق تھا اسے کہ وہ کہانیوں کے ہیروز کی طرح ہوتا۔ خوددار' انا پرست اور مغرور مگر یہ تو ہر لحاظ سے الٹ تھا' سانولا رنگ' عام سے نقوش' درمیانہ قد' عام سا جسم' نہ بہت مضبوطی کا احساس دلاتا ہوا نہ بہت لمبا چوڑا مگر نخرے ان سب ہیروز سے سوا تھے۔ جن کو بہت حسرت سے سوچتی تھی وہ کہ عمر بھی ایسا ہی ہوتا۔

"چائے کا پوچھنے آئی تھی۔ بتادو اگر پیو گے۔ مجھ سے بار بار آگ نہیں جلتی۔"

اس نے بھی جواباً "لٹھ مار انداز اپنایا تھا۔ اونہہ نہیں تو نہ سہی۔ اسے خود اس رشتے اور اس کی اہمیت کا احساس نہیں تو وہ کیوں دلائے۔ وہ نخوت سے سوچے گئی تھی۔

"یار پوچھنے کیوں آگئیں؟ سیدھی سیدھی بنا کر لے آتیں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے شاعر اور ادیب چائے سے چلتے ہیں بالکل ویسے جیسے گاڑی سی این جی' پیٹرول' ڈیزل سے"

"کیا۔۔۔ کیا کہا؟" وہ زور سے درمیان میں ہی چیخی۔ شدید صدمے کے باعث اس کی آنکھوں کی پتلیاں بھی ساکن ہو کر رہ گئی تھیں۔ آواز حلق سے پھنس کر نکلی۔ پانچ سالوں میں یہ تیسرا شوق چرایا تھا اسے' بیس سال کی عمر میں سنگر بننے کا تین سال اسی شوق کی تکمیل کے لیے خوب دھکے کھائے۔ جو جمع پونجی تھی اسی میں اڑا ڈالی کرایوں اور ہوٹلوں میں قیام کرتے کھانے کے بل بھرتے اسٹوڈیو کے باہر لائن میں کھڑے ہو کر قسمت کے مہربان ہونے کے انتظار میں

اس خواری میں رنگت مزید جھلس گئی۔ تب یقین آسکا یہ اس کی قسمت میں نہیں لکھا۔

اس کے بعد وہ پینٹنگ پر طبع آزمائی کرنے لگا۔ آوٹ اسٹینڈنگ ہونا اسے شروع سے پسند تھا۔ جبھی تو وہ ہمیشہ ایسا کام کرتا تھا جس سے اسے یقین ہوتا وہ عنقریب شہرت کی بلندیوں کو جا چھوئے گا' مگر سچی بات ہے ہوتا ہواتا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ہر بار چکنا چور خواب لیے واپس اس گھر کی دہلیز پہ آجاتا تو سائرہ (عمر کی چھوٹی بہن) اس کا مذاق اڑانا نہیں بھولتی تھی۔ ایک ہی فقرے کی تان اڑاتے ہوئے۔

"جھتے دی کھوتی ہو تھے ان کھلوتی۔"

ایسے میں اسما اسے گھورتی۔ اماں دوپٹے کے پلو میں منہ چھپا کر مسکراہٹ دباتیں۔ وہ بھی عمر کی ایسی سرگرمیوں کو سختی سے ناپسند کرنے لگیں۔ مگر پروا کسے تھی۔

"یہ انکشاف کب ہوا؟" وہ صدماتی آواز میں بولی۔

"کون سا؟" دوسری جانب بلا کی بے نیازی بھی۔

"یہی کہ تم میں ادیب یا پھر کسی شاعر کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔" جھنجلاہٹ لہجے سے عیاں تھی۔

"یار اللہ کا شکر ہے میں نے ہمیشہ منفرد کام کیا ہے۔ مکمل طور پر آوٹ اسٹینڈنگ پرسنالٹی ہے میری شہرت میرے نصیب میں لکھی ہوئی ہے بس مناسب وقت کا انتظار ہے۔"

وہ سابقہ جوش و خروش سے خود اپنی تعریفوں میں رطب اللسان مستقبل کی پیش گوئیاں کر رہا تھا پھر اسے دیکھ کر مسکراہٹ دبائی اور سائیڈ ٹیبل کی دراز کا دروازہ کھول کر ایک نوٹ بک نکالی۔ بلکہ اس کی جلد کے ساتھ ٹیپ سے چپکے صفحات کو احتیاط سے الگ کیا پھر اسے چمکتی نظروں سے تکتے ہوئے بول اٹھا۔

"یہ میری آنکھوں کا سنہرا خواب ہے اسما! دیکھو تم بھی لیے۔ میرے خوابوں کی ہر تعبیر میں تم بھی شامل ہو تم سے چھپا نہیں میرا کوئی راز۔"

اس نے صفحات اس کے سامنے کر دیئے۔ اسما جو اس کی باتوں کے سحر میں گم تھی چونک کر متوجہ ہوئی یہاں اس کے ہاتھ کی تحریر موجود تھی۔

"نوجوان ابھرتے ہوئے شاعر عمر آفاق گردیزی جن کی دل کو چھو لینے والی شاعری کے پہلے مجموعے "تم سے بچھڑ کے" نے تہلکہ مچا ڈالا کا تیسرا ایڈیشن عنقریب نئے سرورق کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔۔۔"

اسما نے نظریں اٹھا کر اس کے چمکتے چہرے کو بے حد تاسف کی نگاہ سے دیکھا۔ پھر گہرا سانس بھرا۔

"تم کیوں نہیں سدھر جاتے ہو عمر! کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔ پتا ہے بابا خفا رہنے لگے ہیں تم سے۔۔۔" وہ روہانسی ہوئی۔ عمر پر مجال ہے جو اثر ہوا ہو۔ ڈائری اسی انداز میں بند کر کے واپس دراز میں رکھنے لگا۔

"تم بابا کے ساتھ دکان پر کیوں نہیں جاتے۔ کل وہ کہہ رہے تھے کہ جب تک تم کوئی معقول کام نہیں کرو گے وہ شادی نہیں کریں گے تمہاری۔"

"میری شادی تو ہو چکی۔ یاد نہیں نکاح کر چکا ہوں تم سے اور اب جلدی کاہے کی ہے تمہیں؟ مجھے اپنے پیروں پر تو کھڑا ہونے دو۔"

"کب ہو گے تم اپنے پیروں پر کھڑے؟ اور مجھے کوئی جلدی نہیں ہے شادی کی سمجھے؟" اسے غضب کا جلال آگیا۔

"جب میں اتنی نظمیں لکھ لوں گا جن کی کتاب چھپ سکے۔ تم دیکھنا کتنی پذیرائی ملتی ہے میری کتاب کو۔"

"ہاں اتنی ہی جتنی تمہاری پینٹنگز کو یا جتنی تمہاری گلوکاری کو۔" وہ جل کر بولی تھی۔ عمر نے جواباً اسے نادیبی نظروں سے گھورا۔

"شٹ اپ اسما! اگر تم اچھا نہیں بول سکتیں تو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ بغیر لحاظ رکھے چیخا۔

"اللہ کرے میں واقعی دفع ہو جاؤں تمہاری زندگی سے تمہاری دنیا سے ہی۔"

☼ ☼ ☼

وہ خود کو بددعائیں دیتی وہاں سے چلی آئی۔

جھاڑو اٹھائے پائپ لگائے وہ دھلائی میں مصروف ہو گئی۔ آج بہت طوفان آیا تھا۔ آندھیاں چلی تھیں ایسی کہ درخت جڑوں سمیت اکھڑ گئے تھے۔ وہ کمرے میں بند اماں سے چپکی دہلتی رہی۔ چپکے چپکے آنسو بہائے گئی۔ وہ یہاں سے چلا گیا تھا مگر اس کے دل اس کے سوچوں میں ہنوز موجود تھا۔ جبھی تو ہر لمحہ اپنا احساس بخشتا تھا۔

"میں تو گاؤں کی زندگی یہاں کے ماحول اور رہن سہن سے ہی بے زار ہوں۔ بھاگ جانا چاہتا ہوں یہاں سے۔" تب بھی ایسی ہی شدید بارش ہو رہی تھی۔ جب وہ اس کے ہمراہ برآمدے میں کھڑا اپنے مخصوص انداز میں دھواں دھار بول رہا تھا۔

"میں تمہیں بھی یہاں سے لے جاؤں گا اسما! اک چھوٹی سی جنت۔۔۔ اور ہم دونوں۔"

"صرف ہم کیوں۔۔۔ اماں اور ابا بھی۔" اس نے برجستہ کہا تو وہ کھسیانا ہو گیا وہ اسے گھورنے لگی۔

"ہاں ہاں' اماں اور بابا بھی اور ہمارے پیارے بچے بھی۔" اب جھینپنے کی باری اسما کی تھی وہ اس کی گلابی رنگت کو لال ہوتا دیکھ کر حظ اٹھاتا ہوا قہقہے لگانے لگا تھا۔

"اف۔۔۔ کتنا شرماتی ہو تم۔ اس وقت شرمانا جب ہمارے بچے ہوں گے۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"تمہارے خواب بہت اونچے ہیں عمر! اتنے بڑے خواب نہ دیکھا کرو۔ مجھے ڈر لگتا ہے اگر خدا نا خواستہ" وہ سہمی ہوئی کہنے کی کوشش کرتی مگر وہ بڑے آرام سے ٹوک دیتا۔

"ڈرامت کرو پگلی! میں ہوں نا سب ہو جائے گا ان شا اللہ! ہماری گاڑی بھی ہو گی تم دیکھنا۔"

"کب۔۔۔ کیسے عمر؟"

"میں یہ نظمیں لکھ رہا ہوں نا' کتاب چھپواؤں گا۔ بہت مشہور ہو گی دیکھ لینا۔ بس تم انتظار کرو ان ہی دنوں کا جب حالات بدل جائیں گے' جب بہت سارا پیسہ آجائے گا۔"

"خوشی' اطمینان اور آسودگی کے لیے بہت پیسہ ضروری تو نہیں عمر! ہم اتنے پیسے میں بھی خوش ہو سکتے ہیں اور۔۔۔"

"پلیز۔۔۔ اب تم یہ نہ کہنا کہ میں ابا کے ساتھ دکان پر جانا شروع کر دوں۔ اسما یہ میرا اسٹینڈرڈ نہیں ہے۔ میں ایسا لائف اسٹائل پسند نہیں کرتا۔ تم نے غور کیا' سوچا؟ دنیا بھر میں جب بارش ہوتی ہے تو لوگ کتنا انجوائے کرتے ہیں۔ جبکہ یہاں انجوائے کرنے کی بجائے مصیبت سی ٹوٹ پڑتی ہے۔ ڈھور ڈنگر چھپر تلے کرنے کی مصیبت' ایندھن کو گیلا ہونے سے بچانے کے جتن' چارپائیاں بھیگنے سے محفوظ رکھنے کی جدوجہد۔ اسما میں عمر بھر یہ نہیں کرنا چاہتا۔ کوشش سے قسمت بدل جایا کرتی ہے میں کوشش ہی کرنا چاہتا ہوں تم میرا ساتھ دو گی؟"

اس نے آس سے بھری آنکھوں کو اس کی نظروں سے چار کر کے سوال داغ دیا تھا۔ وہ اقرار نہ کرتی تو کیا کرتی کہ وہی تو اس کا سب کچھ قرار پایا تھا۔ دل کے بھی تمام بندھن اس سے بندھے تھے۔ پھر اس نے تو ساتھ دے دیا تھا مگر عمر کو بھی ساتھ نبھانا ہے وہ یہی اہم بات بھول گیا تھا۔

فرش دھلتا جا رہا تھا۔ گندے شاپر کاغذ کے لفافے اور مٹی پائپ کی دھار کے ساتھ بہتا تیزی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا ساتھ ہی اس کی آنکھوں کا سیل رواں بھی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا وہ خود بھی۔ بس عمر کے نہ ہونے سے کسی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے بے دلی سے آنگن میں اڑتے خشک پتے جھاڑو سے اکھٹے کیے اور تار سے کپڑے اتارنے شروع کیے۔ صحن کی ٹونٹی خراب ہوئی تھی۔ ہر وقت پانی قطرہ قطرہ ٹپکتا۔ عمر سے اتنی بار کہا تھا پلمبر کو گھر بلا لائے مگر اسے کسی وقت فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ بابا دکان سے تھکے ہوئے گھر آتے تو اسے نظمیں لکھتے پا کر ان کا ہائی ہوتے دیر نہ لگتی۔ وہ کلستے ہوئے ڈانٹتے مگر ہل ہے اس پر اثر ہو جائے۔ اماں اور سائرہ کی منت سماجت کے جواب میں کبھی وہ دکان پر چلا بھی جاتا تو بابا کی باتیں اس کے لیے مزید بڑھ جاتیں۔

"اسے گاہک سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ دکان داری کیسے چلائی جاتی ہے اس سیٹھ کو خبر ہی نہیں۔ کسی نواب کی اولاد ہے جیسے' اس سے تو بہتر تھا میری ایک اور بیٹی ہو جاتی۔"

وہ روہانسے ہو کر کہتے۔ اسما شاکی نظروں سے اسے تک کر رہ جاتی۔

"یار ابا بھی کبھی کبھی حد کر دیتے ہیں تمہارا حق مارنے کی۔" وہ اسے کاندھا مار کر بولا تھا۔ اسما نے اسے گھورا۔

"بدتمیزی مت کرو۔ انہوں نے میرا حق کبھی نہیں مارا سمجھے۔" وہ چیخی۔ بابا تایا تھے اس کے' امی بابا کے ایکسیڈنٹ میں ہونے والی موت نے اس خاندان کی کمر توڑ دی تھی۔ بابا اسے مستقل اپنے پاس لائے تو عمر کا اس سے نکاح کر دیا۔ ان کے خیالات ان کی سوچ یقیناً خیر خواہی کی تھی مگر عمر کے رنگ ڈھنگ انہیں اب مایوس کرتے جا رہے تھے۔

"تو یہ کیا ہے؟ میرے بجائے ایک اور بیٹی کے خواہش مند ہیں۔ پھر تمہاری شادی کس سے ہوتی؟ یہ رومنس کون کرتا تم سے؟" وہ ایک آنکھ دبا کر بولا تھا۔ اسما ــــــ سرخ پڑی تھی اس کی اس درجہ بے باکی و بے حجابی پر۔

"بکو مت' میں بیوی نہیں ہوں تمہاری! بہتر ہے ایسی باتوں سے اجتناب کیا کرو۔"

"منکوحہ تو ہو بیوی اور منکوحہ میں بہت زیادہ فرق تھوڑی ہوتا ہے یار۔"

وہ ڈھٹائی سے اپنے موقف پر جما رہتا۔ بابا اس کی انہی ڈھٹائیوں سے عاجز تھے۔ جب بھی اس سے منہ ماری ہوتی۔ وہ اسے گھر سے نکال دینے کی دھمکی دیتے ہوئے سدھرنے کو کہتے مگر وہ سدھرا نہیں ہاں گھر سے ضرور نکل گیا۔ اس طرح کہ پھر زندگی میں کچھ باقی بچا ہی نہ تھا جیسے۔

☼ ☼ ☼

"اسما۔۔۔ اسما! کہاں ہو یار" وہ کچن دھو کر وائپر لگا رہی تھی جب عمر اسے پکارتا ہوا اندر آیا۔ اسما بری طرح جزبز ہوئی۔ برآمدے میں تخت پہ اماں اور سائرہ سلائی کا کام نبٹانے میں مصروف تھیں۔ کل آرڈر پورا کر کے دینا تھا۔ خود اسما بھی کام مکمل کر کے ان کے ساتھ شامل ہو جاتی۔ اصولاً وہ اب عمر کی ذمہ داری تھی مگر اس کی لاپروائی کے باعث شرمندگی کا احساس اسما کو ہوتا تھا۔ وہ بھی جانتی تھی بابا کی دکان سے آمدنی کتنی محدود ہے۔ اماں اور سائرہ سلائی کا کام اجرت پر کرتی تھیں۔ وہ بھی غیر محسوس انداز میں ہاتھ بٹانے لگی گویا عمر کے حصے کی مشقت خود کرنے لگی تھی۔

"تمیز سے بولا کرو عمر یہ یار وار کیا ہوتا ہے۔ اماں ہیں سائرہ ہے کتنا برا لگتا ہے۔" کن انکھیوں سے دروازے سے کام میں مصروف نظر آتیں اماں اور سائرہ کو تکتی ہوئی وہ نادمی انداز میں بولی تھی۔

"اچھا خواہ مخواہ میرا موڈ خراب نہ کرو۔ بس میری نظم سنو ٹائٹل پوئم ہے۔" وہ پرجوش تھا۔

"ابھی نہیں عمر پلیز! ذرا فارغ ہو لوں کام بہت ہیں آج۔ ابھی بابا کو کھانا بھی بھیجنا ہے۔ رکھا آتا ہو گا۔ دکان سے۔" وہ آٹا چھاننے میں مصروف تھی۔

"میں لے جاتا ہوں ان کا کھانا۔ دراصل کاغذ ختم ہو گئے ہیں میرے۔ وہی لانے ہیں سنو کچھ پیسے ہوں گے تمہارے پاس؟"

وہ پلاسٹک کا چھوٹا جگ اٹھا کر پانی لینے جا رہی تھی۔ رک کر اسے تکنے لگی۔

"وہ۔۔۔ یار اگر ابا سے مانگوں گا تو خواہ مخواہ ناراض ہو جائیں گے۔ مجھ پر گرم ہونے کا تو ویسے بھی بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔" سر جھکا کر کہتا وہ نہ شرمندہ تھا نہ خجل' اسما سر جھٹک کر اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

"یار بیوی۔۔۔ نہیں منکوحہ کام کرتے تم نظم بھی تو سن سکتی ہو۔"

اس کے لفظ بیوی پر گھورنے پر وہ اٹکا اور خود ہی اپنی

کھینچ کر کے مسکرایا۔ اسما کو سر ہلانا پڑا۔ عمر نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ نظم سنانی شروع کی تھی۔ اختتام پر داد طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ مگر اسما کے ہونٹوں پر مچلتی مسکان نے اسے حیران کر دیا۔

"کیا ہوا؟ جوک نہیں نظم سنائی ہے تمہیں۔" اسما کی مسکراہٹ اس کا موڈ خراب کرنے کا باعث بنی۔ جبھی تیکھے انداز میں ٹوکا۔ وہ اندر گئی اور واپس آکر بند مٹھی اس کی جیب میں کھول دی۔ وہ اس کی خودداری اور عزت نفس کی یونہی حفاظت کرتی پھرتی۔ دے کے جتلانا تو دور وہ احساس بھی نہیں ہونے دیتی تھی۔

"اب کیا کہوں؟ رہنے دو خفا ہی ہو گے تم۔" وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"نہیں، نہیں تم کہو۔" وہ بضد ہوا۔ اسما نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"تمہیں یہ کوشش ترک کر دینی چاہیے عمر! ادب پہ پہلے ہی کچھ کم برا وقت نہیں آیا ہوا۔"

"کیا مطلب؟" وہ بولا نہیں غرایا تھا۔ اسما ہنستے ہوئے سر کو نفی میں ہلانے لگی۔

"تم سمجھو میں نے کچھ کہا ہی نہیں، ویسے بھی تم اپنی مرضی ہی کرتے ہو۔"

"تم جیلس ہو مجھ سے بس۔ دیکھنا جب میں فیمس ہو جاؤں گا تب تم ہی میرے پیچھے پھرو گی۔"

"ہاں... پتا نہیں کب آئے گا وہ وقت، کب دن بدلیں گے کب پیسے آئیں گے؟"

وہ متاسف تھی، دکھی تھی۔

☆ ☆ ☆

نیم کی چھاؤں میں چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ کچھ پیالے میں رکھے دانے سے اپنی طلب مٹاتی، کچھ پانی میں پر پھڑپھڑا کر نہانے میں مشغول۔ اس کی آنکھیں ہاتھ میں موجود میگزین میں چھپی تصویروں کو دیکھ کر نم ہوتی چلی گئیں۔ یہ سستا سا تیسرے درجے کا میگزین تھا جس میں غیر معروف شاعروں اور غیر معروف اداکاروں کے انٹرویوز چھپتے تھے۔ اسی میں عمر کی بھی تصویریں لگی تھیں۔ کوثر کا بھائی شہر سے بالخصوص ان کے لیے یہ رسالہ لایا تھا، صرف عمر کی وجہ سے جسے اماں نے نم آنکھوں سے دیکھا تھا جبکہ اسما کی تو آنکھیں کیا دل اور روح بھی جلنے لگی تھی۔ ٹائٹل پہ بھی وہی براجمان تھا اس ادھیڑ عمر کی شاعرہ کے ساتھ اور درمیانی صفحہ پر بھی اس کا انٹرویو اور تصاویر تھیں۔ وہ بے باک انداز میں چپک کر بیٹھی ہوئی تھی عمر سے۔ وہ بھی بہت عقیدت بھرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ بقول اس کے وہ اس کی استاد تھی نا صرف شاعری کی اصلاح کرواتا بلکہ وہی تھی جس کی بدولت اس کی کتاب کی تین سو کاپیاں دھڑا دھڑ فروخت ہو گئی تھیں۔ انٹرویو پڑھتے وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ اس کا فگار دل کچھ اور مجروح ہوا تھا۔

سچ ہے ترقی اور کامیابی کے راستے لازمی نہیں سیدھے سبھاؤ ہی طے کیے جائیں۔ بے صبرے اور کمزور ایمان کے لوگ شارٹ کٹ بھی اختیار کرتے ہیں۔ اس بات کی پروا کیے بنا کہ نیک نامی، عزت و وقار اسی نفس پرستی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ وہ اسے اس راستے پہ چلتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ اسے اسی گمراہی سے تو بچانا چاہتی تھی۔ پتا نہیں کتنا مشہور ہوا تھا، ہوا بھی تھا یا نہیں۔ اسے پتا تھا وہ کتنی مشکل سے فون کرپاتی ہے اس کے باوجود کال ریسیو نہ کرتا۔ اگر کبھی کر لیتا تو ڈھنگ سے بات کرنے کی فرصت نہ ہوتی۔ انداز کی عجلت یوں ظاہر کرتی گویا سارا پاکستان اس کے کاندھوں پر ٹکا ہے۔

"تم مشہور ہو کر بدل تو نہ جاؤ گے عمر؟" اس کی سماعتوں میں اپنی ہی آواز کی بازگشت گونجنے لگی اور آنکھ سے ایک آنسو پھسلتا گال پر آن ٹھہرا۔

"پہلے مشہور تو ہونے دو۔" اس نے بے اعتنائی سے جواب دیا تھا۔

"اور اگر تم بدل گئے....؟" اس کی سوئی ایک جگہ پہ ہی اٹکی ہوئی تھی۔

"تو پھر تم بھی مجھے بھول جانا۔" عمر دانت نکوسنے لگا اور اسما... اس نے بے دریغ اس کے کاندھے پہ مکوں

کی برسات کر دی تھی۔

"ایسا کچھ سوچا بھی عمر تو یاد رکھنا۔ وہاں آکر جان لے لوں گی تمہاری۔"

"مجھے بھی پتا ہے تمہاری خونخواری کا۔ ایسی غلطی نہیں کروں گا بالکل!" وہ مسکراتا اور اسے تسلی دیتا۔

"لڑکیاں بھی تو شاعرہ ہوتی ہیں نا عمر!"

"ہاں ہوتی ہیں۔" وہ اپنے کام میں مصروف رہتا انداز سرسری ہوتا۔

"خوب صورت بھی ہوتی ہوں گی۔"

"بہت... بہت۔" وہ بہت کو لمبا کھینچتا اور آنکھ دبا کر مزا لیتا اس کی گھبراہٹ کا۔ وہ خفا نہ ہوتی البتہ متفکر ضرور ہونے لگتی۔

"مجھ سے بھی زیادہ؟" اس کی آنکھوں سے معصوم سی حیرانی جھلکنے لگی۔

"تم تو کچھ بھی نہیں ہو۔" وہ جان بوجھ کر اسے زچ کرنے کو غلط بیانی کرتا۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ واقعی بہت حسین تھی۔ کانچ کی گڑیا جیسی نازک، بیلے کی کلیوں کی طرح ان چھوئی مہکتی ہوئی۔ میدے جیسی رنگت جو چھونے سے بھی میلی ہو جائے۔ یہ سچ تھا عمر نے اتنی جاذبیت، نزاکت اور دلکشی کبھی کسی میں یکجا نہیں دیکھی تھی۔ اس پر اس کی فطری معصومیت وہ اپنی تباہ کن دلکشی اور خوبصورتی سے لاعلم ہی تھی۔ اور لاعلم ہی رہتی اگر سائرہ اور عمر اس کی تعریفیں کر کے اس کو تھوڑا سا احساس نہ دلا دیتے۔

"پھر تو سن لو ادبی محفلوں میں تمہارے جانے پر پابندی۔ اگر جانا مجبوری ہے تو تم کسی بھی لڑکی کو نہیں دیکھو گے۔ یاد رکھنا کہ تم صرف میرے ہو عمر۔" اب کے اس کے لہجے میں دھونس تھی۔ وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"عمر تو بس ماروی کا ہوا تھا اور تم ماروی تو نہیں ہو۔" اسے ستا کر عمر کو مزا آتا تھا جبھی شرارت کو طول دینے لگا۔ اور وہ چلائے گئی۔

"اسما پتر... دیکھ آندھی آنے والی ہے بالن اندر کر لے میں بکریاں کھولتی ہوں۔"

اماں اسے پکار رہی تھیں۔ وہ چونکی مگر اٹھتے بگولوں اور فضا میں پھیلے غبار نے ہڑبڑا کے رکھ دیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اپلے سمیٹ کر ٹوکری میں ڈالنے لگی۔ فضا میں اڑتے گرد و غبار کے ساتھ خود اس کی آواز بھی ساتھ ساتھ ڈولتی پھر رہی تھی۔

"تم جتنے بھی مشہور ہو جاؤ عمر! لڑکیاں جتنا مرضی تم پہ مرنے لگیں۔ بس یہ یاد رکھنا کہ مجھے برا یہ نہیں لگے گا لڑکیاں کیوں تمہیں دیکھتی ہیں۔ مجھے برا یہ لگے گا کہ تم انہیں دیکھو گے۔" اسے لگ رہا تھا اس کی نصیحت یہیں رہ گئی ہے۔ عمر اگر اسے فراموش کر سکتا تھا تو اس کے نزدیک اس کی نصیحت بھلا کیا مقام رکھتی ہوگی۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا ہے؟ اس طرح منہ لٹکا کر کیوں بیٹھے ہو؟" کمر پہ دونوں ہاتھ ٹکائے وہ جارحانہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عمر نے اک نظر اسے دیکھنے پہ اکتفا کیا البتہ کہا کچھ نہیں۔

"بولو بھی۔" وہ چیخی۔

"تمیز سے بات کیا کرو۔ اماں نہیں ہو تم میری، اور ہو بھی بہت چھوٹی۔" وہ جھڑک کر غرایا۔ اسما ایک دم ساکن ہو کر رہ گئی۔ وہ معمول سے ہٹ کر سنجیدہ اور غصیلا تھا اور ایسا موڈ تب ہی ہوا کرتا جب اس کا دل کسی بھی وجہ سے دکھا ہوا ہو۔

"خیریت عمر! اداس کیوں ہو؟" وہ اس کے برابر مناسب فاصلہ رکھ کے بیٹھ گئی۔ انداز اپنائیت بھرا تھا عمر اسے دیکھتا رہا۔ اس کی مخملیں گلابیاں چھلکاتی رنگت، سیاہ گھنیرے بال اور جلد ایسی کہ روشنیاں پھوٹ رہی ہوں۔ وہ بہت حسین تھی۔ غیر معمولی حد تک جبکہ وہ اسی قدر عام سا انسان تھا۔ یہ احساس اسے ...... دلانے والے دلا دیا کرتے ...... اس کے دوست بھی بہت سفاک تھے۔

"کبھی میں سوچتا ہوں ابا نے عجلت میں فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں نہیں لگتا ہے اسما کہ میں تمہارے قابل نہیں ہوں؟" سوال ہوا تھا اور وہ ہونق رہ گئی تھی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو عمر؟ میں تو۔۔۔ ایسا کبھی نہیں سوچتی۔ اور کیوں سوچوں گی بہت اچھے لگتے ہو تم مجھے۔۔۔" وہ شاید اس کا مطلب سمجھ گئی تھی جبھی تو وضاحتیں دیتے پہلی بار اپنی پسندیدگی ظاہر کی تھی۔ مگر وہ کہاں اتنی جلدی مطمئن ہونے والا تھا۔

"ایسا کیا خاص ہے مجھ میں۔۔۔؟"

"عمر محبت یہ سب نہیں دیکھا کرتی۔ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد تمہارا نام اپنے نام کے ساتھ سنا۔ تم میرے نزدیک خاص اور اہم تھے۔ کیا یہ کافی نہیں؟"

"تو کیا تم محبت کرتی ہو مجھ سے؟" مطمئن ہوا تھا جبھی شریر انداز میں اس پر گرفت کی۔

"تمہیں کوئی شک ہے؟" وہ اس کی شرارت نہیں سمجھی تھی جبھی سادگی سے اسے تکنے لگی۔

"بالکل شک ہے۔ کبھی منہ سے تو پھوٹا نہیں تم بھئی محبت ثبوت اور اظہار مانگتی ہے۔" عمر مسکراہٹ دبائے کہہ رہا تھا۔

"اب کیسے ثبوت دوں میں تمہیں بھلا؟" وہ حیران نظر آنے لگی۔

"جیسے محبت کا اظہار کیا ہے ویسے ہی گلے لگا کر ثبوت فراہم کرو۔" اب وہ کھل کر ہنس رہا تھا۔ اسما کی خفت اور شرم کا انت نہیں رہا۔ وہ اسے دونوں ہاتھوں سے گھونسے مارنے لگی۔

"بہت بدتمیز ہو تم اور کبھی بھی نہیں سدھرو گے۔" اس کے رخسار شفق رنگ کے ہو گئے۔ آنکھوں میں حیا کا خوبصورت رنگ تیرنے لگا۔ خمدار پلکیں عارضوں پہ بچھ گئی تھیں۔

"جیسے اظہار کروا رہا ہوں اسی طرح کسی دن تمہیں پٹا کر یہ ثبوت بھی لے لوں گا وعدہ رہا۔" اس نے بہت اعتماد سے دعوا کیا تھا۔ اسما نے اسے جواباً" آنکھیں دکھائیں۔

"منہ دھو رکھو' ایسی ویسی لڑکی ہی نہیں میں کہ یوں بے قابو ہو جاؤں۔"

"اس بات کی گواہی تو وقت ہی دے سکتا ہے۔" وہ کاندھے اچکا رہا تھا۔

"میں ہار رہی ہوں عمر! ٹوٹ رہی ہوں' پلیز لوٹ آؤ۔ اگر یہ میری آزمائش ہے تو ختم کر دو اسے۔" وہ سسک رہی تھی' وہ تڑپ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اسما۔۔۔ اسما کہاں ہو تم؟" وہ چیختا ہوا کمرے میں آن گھسا تھا۔ وہ سوئچ بورڈ والی دیوار کے ساتھ کپڑا بچھائے کپڑے استری کر رہی تھی۔ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ فرش پہ اس کے ساتھ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"اک بات مانو گی؟" وہ جھجک کر اسے تکنے لگا۔

"کیا بات؟" اس نے حیرانی سے اس کے گریز کو محسوس کیا۔

"مجھے کہیں سے کچھ پیسے ادھار مانگ کے لا دو۔ اپنی سہیلیوں سے۔۔۔" وہ ایک دم چپ ہو گیا تھا۔ اور اسے امید افزا نظروں سے تکنے لگا۔ جو قدرے خفا لگنے لگی تھی۔

"تم میرے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں؟" وہ متاسف اور شاکی ہونے لگا۔

"میری سہیلیاں بھی میرے جیسی ہیں عمر! جانتے تو ہو تم۔" وہ مایوس اور دل گرفتہ تھی پھر ذرا چونکی۔

"کتنے پیسے چاہئیں۔۔۔؟"

"پچاس ہزار" ادھر جواب تیار تھا۔ اسما کا تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کتنی ہی دیر وہ کچھ بول نہ سکی۔

"اتنے پیسے۔۔۔؟ کیا کرو گے ان کا؟" وہ بھونچکی سی پوچھ رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے نا اسما! میرے نزدیک میرے خواب کتنے قیمتی ہیں مگر میں نے سب پہ سمجھوتہ کیا اور خود کو سمجھا لیا مگر یہ خواب۔۔۔ اسما اگر یہ ٹوٹا تو خود بھی ٹوٹ جاؤں گا میں۔ ساری معلومات لے لی ہیں میں نے' اک پبلشر مان گیا ہے کتاب چھاپنے کو مگر پچاس ہزار کا بندوبست۔۔۔"

"ہاں یہ مسئلہ تو ہے۔ پھر عمر خود سوچو اس کا فائدہ کیا

ہو گا؟" وہ سے سمجھانا چاہتی تھی۔

"کیوں نہیں ہو گا؟ میں عنقریب معروف شعرا کی طرح عوام کے دل میں دھڑکوں گا۔ براہ مہربانی تم روڑے نہ اٹکاؤ' ان مشہور لوگوں نے بھی پہلا قدم ایسے ہی اٹھایا تھا۔ جبھی آج نامور ہیں۔" وہ برا مان کر ٹوکتے ہوئے بول رہا تھا۔ اسما نے سرد سانس بھرا۔ وہ بے بس لگنے لگی تھی۔

"لیکن عمر اگر کتاب کو پذیرائی نہ ملی تو پچاس ہزار۔۔۔"

"تم منحوس باتیں نہ کرو تو بہتر ہے۔ یہ میری زندگی موت کا معاملہ ہے۔ مجھے چاہے لوٹ مار کر کے کیوں نہ کرنا پڑے یہ کام!" وہ بدمزگی سے چیخا اور اٹھ کر چلا گیا۔ اسما سناٹے میں گھر گئی تھی۔

"یہ رکھ لو تم۔" اگلے تین دن وہ اٹوائی کھٹوائی لیے کمرے میں بند پڑا رہا تھا۔ کھانا پینا جیسے نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ وہ کبھی یہ قدم نہ اٹھاتی اگر یہ شخص اسے اتنا عزیز نہ ہوتا۔ وہ نہیں چاہتی تھی خواہش کی تکمیل اسے غلط راستوں پر چلائے۔

"کیا ہے یہ؟" وہ ابرو تان کر ناگواری سے پوٹلی کو تک رہا تھا۔

"کھول کر دیکھ لو' تمہارے کام کا انتظام کرنے کی کوشش کی ہے۔" اس نے نرمی سے کہتے پوٹلی اس کے سرہانے رکھ دی۔ عمر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اگلے لمحے پوٹلی کھل چکی تھی۔ گلابی کپڑے پہ سنہرا کنگن چمک رہا تھا۔ عمر کی آنکھوں میں چمک اور تحیر اک ساتھ اترا۔

"یہ۔۔۔؟"

"میرا ہے۔۔۔ مطلب امی کا زیور۔ جو انہوں نے میری شادی کے لیے بنایا تھا۔ اس پہ صرف میرا حق ہے۔ اسے میں اپنی مرضی سے استعمال کر سکتی ہوں۔ میرا خیال ہے یہ پچاس ساٹھ ہزار کا بک جائے گا۔" وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ لہجے میں کوئی ملال نہیں تھا۔ البتہ اس کی خوشی پوری کرنے کی طمانیت ضرور تھی۔

"تھینکس۔۔۔ تھینکس اسما۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر لبوں سے چھوا۔ انداز میں عقیدت بھری ہوئی تھی۔

"تم بہت خاص ہو اسما! تم نے ثابت کیا ہے کہ تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہے۔" وہ ممنونیت سے کہہ رہا تھا۔ اسما نم آنکھوں سے مسکرانے لگی۔

"تھینکس کی ضرورت نہیں ہے عمر! تم سے بڑھ کر نہیں ہے یہ زیور۔"

"لیکن اماں۔۔۔ وہ تو کچھ نہیں کہیں گی؟"

"جب تک انہیں پتا چلے گا تمہارا کام ہو چکا ہو گا۔ میں طریقے سے انہیں سمجھا لوں گی۔ عمر میں نہیں چاہتی ہوں اس کام کی تکمیل کی خاطر تم کوئی بھی غلط کام کرو۔ وعدہ کرو اگر پھر بھی تم مشہور نہ ہوئے تو اسے اپنی قسمت سمجھ کر سمجھوتہ کر لینا سراب کے پیچھے نہ بھاگنا۔"

وہ جتنی سنجیدہ تھی اس سے کہیں بڑھ کر بنجی۔ مگر وہ اسی قدر خوش بھی تھا اور خوش گمان بھی۔ "ایک بار پھر بہت شکریہ اسما! تم دیکھنا میری کتاب ضرور کلک کر جائے گی۔ پھر بس میں تمہیں سونے میں تول دوں گا۔ بالکل شہزادی بنا کر رکھوں گا۔ بس۔۔۔ بس پیسے آنے دو' دن بدلنے دو۔" وہ گنگنانے اور ہنسنے لگا۔ اسما بھی ہنس دی تھی۔ اس کے لیے یہی بہت کافی تھا کہ عمر کی اداسی دور ہو گئی ہے۔

☼ ☼ ☼

"بلاؤ اس ناہنجار کو مجھے ہر صورت اپنی بچی کی زندگی کا فیصلہ کرنا ہے۔ غضب خدا کا اس نے تو حیا شرم ہی مار ڈالی۔ سائرہ کی شادی کو بھی تین سال ہو گئے دو بچے ہیں اللہ کے فضل و کرم سے اور اسما کا نکاح تو بہت پہلے کا ہوا ہے۔"

وہ کمرے میں دبکی بیٹھی بابا کو گرجتے سن رہی تھی۔ آج ان کا قہر پھر ٹوٹا ہوا تھا۔ اور اس کا دل دہلا جاتا تھا۔

"ابھی وہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔ کہہ رہا تھا ابھی اپنا نام بنائے گا۔" اماں اپنی جگہ دکھی تھیں۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ کہو اس بے شرم سے کہ فارغ کردے میری بیٹی کو' رشتوں کی کمی نہیں ہے۔"

"کیسی باتیں کررہے ہیں خدا نخواستہ؟ آجائے گا۔ میں خود بلاؤں گی اسے آپ غصہ نہ کریں۔" اماں بھی سہم گئی تھیں ان کے ارادے اور عزائم جان کر۔ اس بات سے تو بہت اچھی طرح آگاہ تھیں صرف عمر نہیں اسما بھی ایسا کبھی نہیں چاہے گی۔ دونوں ہی اک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ اور وہ ان کے دل اجاڑنے کے حق میں کیسے ہوجاتیں' اولادیں تھیں وہ ان کی۔

"کوشش کرو دیکھو وہ نہیں آنے والا اور بات سنو اگر وہ اب بھی نہ سدھرا اور اپنے لچھن نہ چھوڑے تو میں ہرگز اپنی دھی اس کے حوالے نہیں کروں گا۔ میرے بھرا کی ایک نشانی ہے۔ قیامت کے دن نظریں نہیں ملا سکوں گا میں اس سے۔ اس عمر کمینے نے تو مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔"

ان کی اپنی آواز بھی بھرا گئی تو وہاں سے اٹھ گئے اور ایک بار پھر عمر کا نمبر ڈائل کرتی اسما کی انگلیاں اکڑنے لگیں۔ مگر وہ فون نہیں اٹھاتا تھا' پھر اس کا نمبر بند ہونے کی ٹیپ چلنے لگی۔ اسما کو لگنے لگا جیسے واقعی اب وہ اس سے کبھی نہیں مل سکے گی۔ یہ احساس یہ سوچ اتنی تکلیف دہ تھی کہ اس کی آنکھوں کی جلن بے تحاشا بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

پھر کتاب چھپ گئی وہ خوشی سے ناچتا پھرتا تھا۔ صاحب کتاب ہونا اس کا ارمان تھا بلکہ جنون۔ جو پورا ہوا تو وہ ہواؤں میں اڑنے لگا' فضاؤں میں تیرنے لگا۔ زمین اور زمین والوں سے تو اس کا ہر تعلق ہی ختم ہوگیا تھا۔ مگر چار دن کی تھی یہ چاندنی۔ پھر خمار اترنے لگا۔ پبلشر نے صرف کتاب چھاپی تھی۔ پانچ سو کی تعداد کا یہ ایڈیشن عمر صاحب کے گھر پہنچ چکا تھا۔ اب یہ اس کی دردسری تھی کہ وہ اپنی بک شاپس تک پہنچاتا یا گھر میں ذخیرہ کیے رکھتا۔ دور نزدیک کے دوستوں کو بھی دے کر تھک گیا۔ خریدنے پہ کوئی آمادہ نہیں تھا مفت تحفہ سمجھ کر ہر کوئی ہنس کر رکھ لیتا مگر اک اور بھی تو حسرت تھی جو دل میں دبی تھی مدح سرائی کی' ستائش کی۔ کتاب کا تحفہ بٹورنے والے یار دوستوں نے یا تو پڑھی نہیں تھی اگر پڑھی تو وہ باادب نہیں تھے۔ جبھی تو اس کی کتاب کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرتے اور ہنسی اڑاتے تھے۔

وہ کس سے جھگڑتا کس کس کو سمجھاتا۔ ایسے میں پھر اسما ہی تھی جو آگے بڑھی اور اسے شہر میں بک شاپس پر جاکر کتابیں رکھنے کا مشورہ دیا۔ صرف یہی نہیں وہ اس کے ساتھ خود کتابیں لے کر بھی خوار ہوئی۔ مگر عالم یہ تھا کہ دکان دار ان کی بات بھی سننا گوارا نہ کرتے نئے شاعر کو کون پوچھتا ہے' نئے شاعر کو کون پڑھنا چاہتا ہے۔ یہ تھا باہر کا رسپانس اور گھر کی صورت حال یہ تھی کہ ابا اس پچاس ہزار کے ڈھیر کو قبرستان میں دفنانے کے نادر مشورے دیا کرتے تھے۔

ایسے میں جب ہر سو مایوسی تھی امید کا اک تارہ جگمگا اٹھا۔ یہ جاتی سردیوں کی گلابی شام تھی جب اس کے سیل پہ انجان نمبر سے کال آئی۔ کرنے والی خاتون تھیں جو بن بن کر بولتی تھیں اور اسے کتاب کی اشاعت پر مبارک باد سے نواز رہی تھیں شاعری کی تعریف کررہی تھیں۔ اور عمر۔۔۔ وہ تو بے ہوش ہی ہونے لگا۔ خوشی بے قابو' اشتیاق' انتہا کو پہنچا ہوا۔ خمار' بے خود کردینے پہ آمادہ۔ محترمہ نے بتایا تھا کہ انہوں نے میگزین کے ایڈیٹر سے اس کا نمبر حاصل کیا ہے اور کتاب سے استفادہ کیا۔ وہ خود بھی شاعرہ تھیں اور صاحب کتاب بھی۔ انہوں نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے لاہور میں عنقریب منعقد ہونے والے اپنے مشاعرے میں اسے بھی دعوت دی تھی۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ عمر سر کے بل تیار ہوا۔ پھر بات صرف فون پر رابطے اور مشاعرے میں شرکت تک محدود نہ رہی۔ وہ مختلف تقریبات میں ملتے اور اک دوسرے کے قریب ہوتے چلے گئے۔ وہ عمر رسیدہ عورت جو دیکھنے میں اس کی ماں لگتی تھی مگر اسے دوسری نظر سے دیکھتی تھی۔ اسے کامیابی کے یقین دلاتی نئے نئے راستے دکھاتی۔ اسما کی نصیحتیں' اماں کی منتیں اور ابا کی ناراضی و ڈانٹ سب بہت پیچھے رہ گئے۔ وہ آگے۔۔۔ بہت آگے کا سفر طے کرتا چلا گیا۔ اور اک دن وہ بھی آیا جب اس نے اس گھر کو چھوڑدیا اور مستقل لاہور رہائش اختیار کرلی۔

☼ ☼ ☼

اس سے فون پر رابطہ نہیں ہوپایا تھا۔ اماں خود اسے لینے جارہی تھیں مگر ابا کے ساتھ نہیں' سائرہ کا شوہر شاید ساتھ تھا۔ بابا تو اتنے خفا تھے کہ صاف انکار کردیا تھا۔ اسما کا دل تو جیسے خزاں کی زد پہ آیا ہوا کمزور پتہ تھا۔ ہر دم کانپتا ہر لحہ لرزتا ہوا۔ ساری امیدیں خوف کی چادر میں جا چھپی تھیں۔ اسے کامل یقین تھا وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اگر آبھی گیا تو اسے نہیں اپنائے گا۔ کیا اس سے بہتر نہیں تھا وہ نہ آتا۔۔۔ مگر یہ وہ باتیں کو کیسے سمجھاتی۔ اور پھر وہ آگیا۔ اماں سرشار جبکہ شاہد بھائی مطمئن تھے۔ اسماء خوش کیسے ہوتی اسے تو عمر کی بے گانگی اور چپ مارے ڈالتی تھی۔ اماں کا خیال تھا وہ سدھر گیا' ابا البتہ ابھی بھی مشکوک تھے۔

پھر آنا" فانا" ان کی شادی طے ہوگئی وہ چاند رات تھی جب وہ اماں کے کمرے سے رخصت ہوکر سادگی کے ساتھ عمر کے کمرے میں بھیج دی گئی۔ اس کا دل اس ارمانوں بھری رات میں بھی واہموں اور خدشوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ خاموش کیوں تھا؟ وہ کچھ بولتا کیوں نہ تھا۔ وہ آخر اب کیا کہے گا اس سے؟ کتنے سوال تھے جو اسے خوش نہیں ہونے دے رہے تھے۔ پھر دروازے پر کھٹکا ہوا۔ اگلے لمحے وہ اس کے روبرو تھا۔ ویسا ہی خاموش' گم سم اور کھویا ہوا۔ اسما منتظر رہی وہ کچھ کہے مگر وہ لب بستہ تھا۔ اس نے لانبی پلکیں اٹھا کر دیکھا۔ وہ پہلے سے کمزور ہوگیا تھا۔ رنگت بھی جھلسی ہوئی لگتی تھی۔ آنکھوں میں اداسی کا گہرا تاثر اسما کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ اسے کیسے بتاتی وہ اسے اداس نہیں دیکھ سکتی۔

"عمر۔۔۔ کیا ہوا؟"

وہ اٹھ کر اس کے قدموں میں آبیٹھی۔ چوڑی کھنکی، پازیب بجی کمرے کے ماحول میں ہر سو اس کی جھرنے جیسی آواز کا سرگم بکھر گیا۔ وہ چونکا اور اسے خالی نظروں سے تکنے لگا۔

"تم خفا ہو گی مجھ سے۔۔۔ مجھے۔۔۔ معاف کر دو۔ اسما میں نے تمہارا دل دکھایا۔" اسما تڑپ سی گئی اور شدت سے سر کو نفی میں ہلایا۔

"نہیں۔ تم پریشان مت ہو۔ پلیز!"

"وہ بہت جھوٹی تھی میں اسے سچی سمجھا۔ لوگ بہت مکار ہیں۔ دغاباز وہ مجھ سے نظمیں لکھواتی اور خود اپنے پاس محفوظ کر لیتی۔ میں اس کی چال کو سمجھ ہی نہ سکا۔ وہ ایسے ہی نئے آنے والے شاعروں کا کلام اپنے نام سے چھپواتی اور پیسے بٹورتی۔ میں اس کی سازش سمجھ نہ سکا جب سمجھا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔"

"چلو دفع کرو لعنت بھیجو۔" اسما نے نرمی سے اس کا ذہن بٹانا چاہا۔ وہ اسے دکھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"اس نے میری ساری کتابیں اپنے پاس رکھ لیں۔ بلکہ ضائع کر دیں۔ اسما پچاس کے پچاس ہزار ڈوب گئے اور میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکا۔ کوئی ثبوت نہ دے سکا تمہیں اپنی محبت کا۔" وہ رونکھا ہو رہا تھا۔ اسما نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے تھپتھپایا۔

"کوئی بات نہیں عمر! مجھے پچاس ہزار ضائع جانے کا دکھ نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم صحیح سلامت لوٹ آئے۔" وہ بے حد اعلا ظرفی سے بولی۔ عمر اسے دیکھتا رہ گیا۔ عقیدت سے محبت سے۔ وہ شرمائی اور اس کی لانبی پلکیں جھک گئیں۔ عمر کے انداز میں پھر دکھ اترنے لگا۔

"میں نے تمہیں ایسے بیاہنے کا نہیں سوچا تھا اسما! کہ تمہیں دینے کو ایک انگوٹھی تک نہیں میرے پاس۔" وہ متاسف اور ملول ہو رہا تھا۔

"تم مجھے اپنی کوئی نظم سنا دو۔ میری رونمائی گفٹ کے طور پر مجھے ہمیشہ فخر رہے گا اس گفٹ پہ۔" اس کی بات نے ثابت کیا تھا اس کا دل بھی بڑا ہے اس کے ظرف کی طرح مگر وہ جیسے چونک گیا تھا۔

"نہیں نظم نہیں، میں اک ناول کا پلاٹ تم سے ڈسکس کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں پتا ہے اسما! مجھے لگتا ہے میں بہت بہترین ناول لکھ سکوں گا اور مزے کی بات یہ کہ ناول کی کتاب شائع ہونے پر پیسے بھی نہیں دینے پڑتے رائٹر کو بلکہ پبلشر خود پیسے دیتا ہے مصنف کو یعنی ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ بھی چوکھا آئے۔ تم دیکھنا میں ناول نگاری میں کتنا نام کماؤں گا۔ میری دھڑا دھڑ کتابیں آئیں گی۔ میرے پڑھنے والوں کا کوئی شمار نہیں ہو گا پھر میں تمہیں زندگی کی سہولت دوں گا۔ بتا کہے تم شہزادی کی طرح رہو گی۔ بس۔۔۔"

وہ پھر اس جوش و خروش سے بے تکان بول رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک، چہرے کی رونق بحال ہوتی جا رہی تھی۔ اور اسما۔۔۔ اسے پہلی بار اس کی یہ پلاننگ بری نہیں لگی، غصہ نہیں آیا۔ وہ بہت توجہ سے سنتے اس کے تھم جانے پر چونک اٹھی تھی۔

"بس۔۔۔؟" اس کی نظریں سوالیہ تھیں مگر شرارت سے لبریز جواباً" وہ مسکرایا اور شریر انداز میں اس پر جھک کر گنگنایا تھا۔

"بس۔۔۔ پیسے آنے دے، دن بدلنے دے۔" اسما بھی زور سے ہنس پڑی اور اس کے ساتھ ساتھ گنگنانے لگی۔

ہاں ہاں پیسے آنے دے
دن بدلنے دے۔

اور اس کا دل ان شاء اللہ کی گردان کر رہا تھا۔ وہ اس کی خواہش کی تکمیل کی ہمیشہ کی طرح اب بھی خواہش مند تھی۔ اور عید کا چاند مسکراتا ہوا ان کی طمانیت کا مظاہرہ دیکھتا چپکے سے اپنے سفر کی تکمیل میں آگے بڑھ گیا۔ ہر سو خوشی تھی محبت تھی جس نے ہر دل خوشی سے لبریز کر دیا تھا۔

☆ ☆